انوار صدیقی

مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ

کوئی پینتیس یا چالیس سال پرانی بات ہے جب اچانک یہ خبر گرم ہوئی کہ ابن صفی پاکستان آگئے پھر جب ان کی "جاسوسی دنیا" اور "عمران سیریز" کراچی سے شائع ہونی شروع ہوئیں تو اس خبر کی تصدیق بھی ہوگئی۔ دوسرے لاکھوں پرستاروں کی طرح میں بھی ان کی کتابیں کورس کی کتابوں میں چھپا کر پڑھنے کا عادی تھا۔ مرحوم انسانی نفسیات کے ماہر تھے۔ اپنی شگفتہ تحریر اور برجستہ جملوں سے اچھے خاصے سنجیدہ لوگوں کو بھی بے اختیار مسکرانے اور قہقہہ لگانے پر مجبور کردینے میں موصوف کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

حسبِ معمول ایک روز میں نے والد صاحب کو دکھانے کی خاطر کہ صاحبزادے پڑھائی میں مصروف ہیں جلدی میں ایک نصابی کتب بغیر دیکھے اٹھائی اور اس کی جسامت میں "جاسوسی دنیا" کو چھپا کر پڑھنے لگا۔ والد صاحب قریب ہی بیٹھے تھے اس لیے میں حتی الامکان اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کررہا تھا لیکن پھر گرانڈیل احمق قاسم کا ایک جملہ کہ "خبردار خالی بھابی کہہ سکتے ہو جان نہیں۔" (یہ جملہ قاسم نے جھلاہٹ میں کیپٹن حمید سے کہا تھا) پڑھ کر اپنی بے اختیار ہنسی نہ روک سکا والد صاحب جو کم و بیش پینتالیس سال تک درس و تدریس سے وابستہ رہے ہیں، چونکے مجھے مخاطب کرکے بولے۔ "بیٹا یہ فزیالوجی ہانیجن کی کتاب میں ایسا کون سا لطیفہ موجود ہے جسے پڑھ کر تم لوٹ پوٹ رہے ہو۔"

بہرحال اس دن رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ والد صاحب نے قریب آکر "جاسوسی دنیا" برآمد کرلیا پھر بڑے غصّے سے بولے۔ "یہ نجانے کون نامعقول آدمی ہے جو بچوں کو الٹی سیدھی کتابیں لکھ کر برباد کررہا ہے۔" کچھ دیر کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے پھر کتاب کے آخر میں ابن صفی کی تصویر دیکھی تو چونک کر بولے۔ "ارے..... یہ تو اچھا خاصا معقول اور سمجھدار آدمی تھا۔ بڑے خوب صورت شعر کہا کرتا تھا۔ اچانک اس نے جاسوسی ناول لکھنے کی حماقت کیوں شروع کردی؟" پھر میرے استفسار پر بتایا کہ اسرار صاحب المعروف ابن صفی ان کے خاص شاگردوں میں رہ چکے تھے۔ ان کا شمار ہمیشہ کالج کے ذہین اور اچھے طلبہ میں کیا جاتا تھا اور بڑے انقلابی اشعار کہا کرتے تھے۔ اسی روز مجھے یہ معلوم ہوا کہ میں نے اپنے خوب صورت ترنم کی وجہ سے ایوننگ کرسچن کالج الٰہ آباد کے ایک مشاعرے میں "آخری رات کا مہمان" نامی جو انقلابی نظم پڑھی تھی وہ ابن صفی صاحب ہی کی تحریر کردہ تھی۔

میں جو ایک عرصے سے ابن صفی صاحب کے مداحوں میں سے ایک تھا والد صاحب کی زبانی تفصیل سن کر دوسرے ہی دن ان سے ملنے فردوس کالونی پہنچ گیا جہاں ان کا دفتر واقع تھا۔ میں نے جان بوجھ کر اپنا تعارف نہیں کرایا۔ صرف ایک مداح کی حیثیت سے گفتگو کرتا رہا، ابن صفی صاحب مجھ سے باتیں بھی کررہے تھے اور مجھے کرنل فریدی جیسے انداز میں نگاہوں ہی نگاہوں میں پرکھ بھی رہے تھے پھر از خود میرے ایک جملے کو کاٹتے ہوئے بڑے پُرتجسس اور معنی خیز انداز میں بولے۔ "سچ سچ بتانا۔ تم کہیں پروفیسر مولانا محمد انوار الحق صاحب کے صاحب زادے تو نہیں ہو؟" میں نے اقرار کیا تو ان کے چہرے کے تاثرات قابل دید تھے۔ وہ ادب، احترام، پُرخلوص سی عقید تمندانہ اور پاکیزہ سی چمک جو ان کی آنکھوں میں ابھری وہ اب کہاں۔ پان کھانے کے بہت شوقین تھے چنانچہ اس وقت بھی منہ مہک رہا تھا۔ ایک لمحے تک خاموش رہے پھر کرسی پر کسمسا کر بولے۔ "یار..... کہیں مولانا کو معلوم تو نہیں ہوگیا میرے بارے میں کہ جاسوسی ناولیں لکھ رہا ہوں۔" میں نے شرارتاً جواب دیا۔ "والد صاحب کو معلوم ہوگیا ہے اور انہوں نے آپ کو بلایا بھی ہے۔"

"مارے گئے۔" ان کے چہرے پر جیسے یکلخت خوف، الجھن اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات نمودار ہوگئے۔ تھوڑے توقف کے بعد بولے۔ "پہلے زندگی کا بیمہ کرالوں پھر چلوں گا کسی دن سر سے کفن باندھ کر..... مولانا چھوڑیں گے نہیں۔"

پھر جب وہ والد صاحب سے ملے تو وہ منظر بھی دیدنی تھا۔ ایک استاد کی پدرانہ شفقت اور شاگرد کی سعادتمندی کا وہ سماں آج بھی میری نگاہوں میں روزِ اوّل کی طرح محفوظ ہے۔ ابن صفی

صاحب شرمندہ سے گردن جھکائے بیٹھے تھے یہ بھی گویا استاد کی عزت و قدر و منزلت کی انتہا تھی۔ والد صاحب نے ان کی کیفیت کا اندازہ لگایا تو بڑے پیار سے بولے۔

"میاں شاعری میں تمہارا مقام خاصا بلند تھا۔ تم کالج میں شعبۂ اردو کے انچارج بھی رہ چکے ہو۔ مجلّے کی تدوین اور ترویج میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہے پھر یہ اچانک جاسوسی ناول نگاری؟ بہرحال خوب لکھتے ہو' تمہارے ایک دو ناول میں نے بھی سرسری نظروں سے دیکھے ہیں۔ خدا تمہیں ہر شعبے میں کامیاب و کامران کرے۔" والد صاحب کا وہ جملہ سن کر جیسے ابن صفی صاحب کی جان میں جان آگئی۔ اس کے بعد میرے اور ابن صفی کے تعلقات روز بروز گہرے ہوتے چلے گئے۔ وہ مجھ سے بڑی بے تکلفی سے دوستانہ انداز میں گفتگو کرتے اور میں ان کے مقام اور احترام کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھتا۔

ابن صفی صاحب بڑی پہلودار شخصیت کے مالک تھے۔ طنزیہ پیرائے میں بھی اس سلیقے سے گفتگو کرتے کہ سامنے والے کو اس کا مطلق احساس بھی نہیں ہونے پاتا تھا۔ وہ قلم کے اعتبار سے رستم زماں تھے لیکن یارانِ طریقت نے ان کو زندگی میں کسی پہلو سکون نہ لینے دیا۔ ان کے فرضی اور ملتے جلتے ناموں سے بازار میں گویا جمعہ بازار کا سماں طاری ہونے لگا۔ ہر شخص ان کی شہرت کی آڑ میں اپنی دکان چمکاتا رہا۔ ایک بار میں نے دبی زبان میں مشورہ دیا کہ "آپ ان فرضی ناموں سے اپنے کرداروں کی مٹی پلید کرنے والوں کے خلاف کوئی قانونی اقدام کیوں نہیں کرتے؟" پہلے مسکرائے پھر بائیں آنکھ کی مکھی اڑاتے ہوئے بولے۔ "یہ سب میرے ناجائز بھائی بہن ہیں۔ دو روٹی کھاتے ہیں تو کھانے دو..... مقدمہ کروں گا تو اپنے ہی بزرگوں کی بدنامی ہوگی۔"

جو لوگ ابن صفی صاحب کو قریب سے جانتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہوں گے ان کے اندر ظرافت اور سنجیدگی کا پہلو یکساں طور پر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ اصولوں کے معاملے میں بڑی منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ سیخ کے کباب بڑے شوق سے کھاتے اور اسی ٹھیلے پر کھڑے ہو کر جہاں وہ گرما گرم تیار ہوتے تھے۔ کباب کھانے کے بعد ہاتھ دھونا یا پانی پینا ان کے اصول کے خلاف تھا۔ ایک بار میں نے وجہ پوچھی تو بڑی رازداری سے بولے۔ "کسی ایرے غیرے کو یہ راز کی بات نہ بتانا۔ پانی پینے سے منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے اور ہاتھ دھونے سے کباب کی سوندھی سوندھی خوشبو ختم ہو جاتی ہے۔"

ابن صفی صاحب کے بارے میں اتنا لکھا جا چکا ہے کہ اب مزید کلی پھندنے لگانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی بہرحال میں ایک دلچسپ واقعہ ضرور سناؤں گا۔ ان دنوں غالباً" روزنامہ حریت میں ان کا ایک ناول "ڈاکٹر دعاگو" کے نام سے قسط وار چھپ رہا تھا۔ ایک جگہ عمران صفدر سے کہتا ہے۔ "سامنے والی فٹ پاتھ پر کھڑی ہوئی لڑکی کے ہونٹوں کی سرخی کو غور سے دیکھو ایسا لگتا ہے جیسے بلبل پلٹ گیا ہو۔" میں اس باریک تشبیہ کو سمجھ گیا بہرحال دبی زبان سے میں نے اس جملے پر ڈرتے ڈرتے اعتراض کیا تو میرے اعتراض کی نوعیت کو بڑی خندہ پیشانی سے قبول کرنے کے بعد کہا۔ "یار..... یارانِ طریقت میری انقلابی شاعری کو برداشت نہیں کر سکے۔ میں ادب کی طرف راغب ہوا بات لوگوں کے سر سے گزرنے لگی۔ دو چار روپے کما کر پیٹ پالنے کا مسئلہ ہے اس لیے میں نے عوام کے ساتھ لپا ڈگی شروع کر دی۔ تم خود ہی دیکھ لو ہر طرف میری جے جے کار ہو رہی ہے اور میں سر دھنتا ہوں کہ اگر قوم کے یہی اطوار رہے تو اونٹ آگے چل کر کس کروٹ بیٹھے گا۔"

ہماری قوم چونکہ مردہ پرست واقع ہوئی ہے اس لیے وہی شعر ابن صفی صاحب کے پر بھی صادق آیا کہ

اس کو بے مہری عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

ان کی موت کے بعد ان کے بارے میں سنجیدہ طبقے سے متعلق لوگوں نے بہت کچھ کہا اور بذریعہ تحریر و تقریر ان کی بلندی کا کھلے بندوں اعتراف کیا جبکہ ادب کے یہی ٹھیکیدار پہلے جاسوسی تخلیقات کو ادب کے زمرے میں شمار کرنے کو کسی زاویے سے آمادہ نہیں تھے۔ ایڈگر ایلن پو' اگاتھا کرسٹی' آرتھر کانن ڈائل' لسلے چارٹریس اور ارل اسٹینلے گارڈنر سبھی جاسوسی میدان کے لکھاری تھے اور ہیں' ہماری مجرمانہ ذہنیت ان سب کو مانتی تھی اور اب بھی ان کی برتری کا اظہار کر کے اپنی غلامانہ ذہنیت کا ثبوت دیتی ہے لیکن وہ جو سب سے بلند تھا۔ بلند ہے اور بلند رہے گا زندگی میں اسے وہ مقام نہیں دیا گیا جس کا وہ اہل تھا۔

کون کہتا ہے کہ ابنِ صفی مر گیا۔ ابنِ صفی آج بھی اپنی خوب صورت تحریروں کے روپ میں زندہ ہے اور تا ادب اس کے وجود کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی۔ آج بھی وہ سطر سطر لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کر رہا ہے۔ اس کی ایک ایک تصنیف کو دس دس بار پڑھنے کے باوجود لوگوں کو تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے۔ یہ مرحوم کی بلندی' عظمت اور ناقابلِ تسخیر ہونے کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ جب تک ادب کی ایک صنف بھی زندہ رہے گی ابنِ صفی کا نام بھی تابندہ رہے گا۔

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"